قاضی کا فیصلہ اور اس کا نفاذ: علمی اور تحلیلی جائزہ

محمد ابراہیم ۞
محمد شہباز حسن ۞

لفظ قضا کا معنی حکم اور فیصلہ وغیرہ کے ہیں۔ اس کی جمع أقضية ہے۔ قَضٰی یَقْضِی فیصلہ کرنا، قَضّٰی یُقَضِّي قاضی بنانا، قَاضٰی یُقَاضِي اور تَقَاضٰی یَتَقَاضٰی حاکم کے پاس فیصلہ لے کر جانا۔ قاضی شرعی حاکم کو کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع قُضَاۃ ہے۔ قَضِیَّۃ کا معنٰی ہے "معاملہ" اور اس کی جمع قَضَایَا ہے۔(۱) قضاء کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: جھگڑوں کا فیصلہ اور تنازعات کا خاتمہ کرنا "فریقین کے درمیان جھگڑے کا فیصلہ کرنا۔"(۲)

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾(۳) (اور آپ ﷺ ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کیجیے۔) مسلمانوں کے حاکم کی ذمے داری ہے کہ حسب ضرورت ایسے اہلیت اور قابلیت والے قاضی مقرر کرے جو اُن کے اختلافی معاملات کے فیصلے کریں۔ خود نبی کریم ﷺ بھی فیصلے کرتے تھے اور دوسرے علاقوں میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قاضی بنا کر بھیجتے اور آپ ﷺ کے بعد خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طرز عمل تھا۔

قاضی کی ذمے داری ہے کہ وہ لوگوں کے مقدمات کا صحیح فیصلہ کرنے کے لیے بھرپور جدوجہد کرے اور مکمل غور و خوض کے بعد فیصلہ کرے۔ اس صورت میں اگر اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو بھی وہ گناہ گار

۞ پی ایچ ڈی اسکالر، انجینئرنگ یونی ورسٹی، لاہور۔(iqratraders24@gmail.com)
۞ ایسوسی ایٹ پروفیسر، انجینئرنگ یونی ورسٹی، لاہور۔(pdshahbaz@gmail.com)

۱۔ محمد بن یعقوب، مجد الدین، فیروز آبادی، **القاموس المحیط** (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۵ء)، ۱۱۹۲؛ لوئیس معلوف یسوعی، **المنجد** (لاہور: مکتبہ قدوسیہ)، ۷۰۰۔

۲۔ عبدالرحمٰن کیلانی، **مترادفات القرآن**، (لاہور: مکتبة السلام، ۲۰۰۵ء)، ۶۷۰۔

۳۔ القرآن ۵: ۴۹۔

نہیں ہو گا بلکہ کوشش اور اجتہاد کرنے پر اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر وثواب سے نوازا جائے گا، سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ”إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ“[۴] (جب قاضی فیصلہ کرتے وقت خوب غور وخوض کرے، پھر صحیح فیصلہ کرنے میں کام یاب بھی ہو جائے، تو اسے دوگنا ثواب ملتا ہے، اور جب وہ فیصلہ کرنے میں پوری کوشش کرنے کے باوجود غلطی کر جائے تو اسے ایک اجر ملے گا۔)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے اگر قرآن، حدیث اور اجماع سے کوئی دلیل معلوم نہ ہو تو قاضی کو اجتہاد کے ذریعے فیصلہ کرنا چاہیے۔ مجتہد کا اجتہاد اگر صائب ہوا تو اس کے لیے دو اجر ہیں، ایک اجتہاد کا اور دوسرا صحیح فیصلے کا، اور اگر اجتہاد کرنے میں غلطی ہوئی تو پھر بھی اس کے لیے اجتہاد کرنے کا ایک اجر ہو گا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر بَابُ أَجْرِ الحَاكِمِ إِذَا اجْتَهَدَ فَأَصَابَ أَوْ أَخْطَأَ (قاضی اجتہاد کرنے پر ماجور ہے، چاہے (فیصلہ) درست ہو یا غلط۔) باب قائم کر کے اسی موقف کی تائید کی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قاضی کو کتاب وسنت کا عالم اور مجتہد ہونا چاہیے۔ اس کے متعلق وہبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

> فقہاے مالکیہ، فقہاے شافعیہ، فقہاے حنابلہ اور بعض فقہاے حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک قاضی کی لیے مجتہد ہونا شرط ہے، لہٰذا جو شخص احکام شرعیہ سے جاہل ہو، یا محض مقلد ہو، اس کو منصب قضا نہ سونپا جائے۔ کیوں کہ ایسا شخص فتویٰ دینے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا۔ چہ جائے کہ اس کو قاضی بنایا جائے۔[۵] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ﴾[۶] (اور لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کیجیے۔) یہ نہیں فرمایا دوسروں کی تقلید کر کے فیصلہ کریں۔ نیز فرمایا: ﴿لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ﴾[۷] (تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس فہم سے فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾[۸] (اگر تمہارا کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (کے احکام) کی طرف لوٹا دو۔)

۴۔ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، البخاری، (م۲۵۶ھ)، الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وسننه و أيامه، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، بَابُ أَجْرِ الحَاكِمِ إِذَا اجْتَهَدَ فَأَصَابَ أَوْ أَخْطَأَ، ت: محمد زہیر بن ناصر (قاہرہ: دار طوق النجاة، ۱۴۲۲ھ)، رقم: ۷۳۵۲۔

۵۔ وہبہ الزحیلی، **الفقه الإسلامي و أدلته** (بیروت: دار الفکر، ۱۴۰۵ھ)، ۶ : ۴۸۳۔

۶۔ القرآن ۵: ۴۹۔

۷۔ القرآن ۴: ۱۰۵۔

۸۔ القرآن ۴: ۵۹۔

اور سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ: وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ، وَاثْنَانِ فِي النَّارِ، فَأَمَّا الَّذِي فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى بِهِ، وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ، فَهُوَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ قَضَى لِلنَّاسِ عَلَى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ" (قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں۔ایک جنت میں ہے اور دو آگ میں، جنت میں جانے والا وہ ہے جس نے حق پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا اور جس نے حق پہچانا اور پھر فیصلے میں ظلم کیا تو وہ آگ میں ہے اور جس نے جاہل ہوتے ہوئے لوگوں کے فیصلے کیے وہ بھی آگ میں گیا۔)[9]

اس سے معلوم ہوا کہ جان بوجھ کر حق کے خلاف فیصلہ کرنا اور جاہل ہوتے ہوئے لوگوں میں فیصلہ کرنا اپنے آپ کو جہنم میں جھونکنا ہے، یعنی ہر ایک کو منصب قضا پر فائز نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ ابو الحسن مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب ہدایہ کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "أن يكون صاحب حديث له معرفة بالفقه ليعرف معاني الأثار أو صاحب فقه له معرفة بالحديث لئلا يشتغل بالقياس في المنصوص عليه وقيل أن يكون مع ذلك صاحب قريحة يعرف بها عادات الناس لأن من الأحكام ما يبتني عليها" (قاضی کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ حدیث میں ماہر ہو اور اس کو فقہ کی معرفت ہو یا وہ فقہ میں ماہر ہو اور اس کو حدیث کی معرفت ہو تا کہ منصوص مسائل میں قیاس نہ کرے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ وہ ذہین اور طباع بھی ہو تا کہ لوگوں کے عرف اور عادت کو پہچان سکے، کیوں کہ بہت سے احکام عرف پر مبنی ہوتے ہیں۔)[10] اور اجتہاد سے مراد ہے ایسے احکام و مسائل جو قرآن و سنت کی نصوص اور اجماع سے ثابت نہ ہوں، ان کے حل کے لیے جد وجہد کرنا۔ فقہا نے اجتہاد کی تعریف اپنے اپنے الفاظ میں بیان کی ہے، چناں چہ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں: "الاجتهاد لغةً بذل الطاقة في تحصيل ذي كلفة و اصطلاحًا

۹۔ ابو داؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق السجستانی (م ۲۷۵ھ)، **سنن أبي داؤد**، كِتَاب الْقَضَاءِ، بَابٌ فِي الْقَاضِي يُخْطِئُ، (السعودیۃ: دار السلام، ۱۴۲۱ھ) رقم: ۳۵۷۳؛ ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، **سنن ابن ماجه**، كِتَابُ الْأَحْكَامِ، بَابُ الْحَاكِمِ يَجْتَهِدُ فَيُصِيبُ الْحَقَّ (السعودیۃ: دار السلام، ۱۴۲۱ھ)، رقم: ۲۳۱۵۔

۱۰۔ ابو الحسن علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل برہان الدین الفرغانی المرغینانی (المتوفی: ۵۹۳ھ)، **الهداية في شرح بداية المبتدي**، ت: طلال یوسف، (بیروت: دار إحياء التراث العربي، س ن) ۱۰۱۔

ذلك من الفقيه في تحصيل حكم شرعي ظني" (اجتہاد کا لغوی معنی ہے کسی مشکل کام کے حصول کے لیے طاقت صرف کرنا اور اصطلاحی معنی ہے کسی حکم شرعی ظنی کو حاصل کرنے کے لیے فقیہ کا اپنی علمی صلاحیتوں کو صرف کرنا۔)(۱۱) قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "استفراغ الجهد في درك الأحكام الشرعية" (احکام شرعیہ کو حاصل کرنے میں پوری طاقت (تمام علمی صلاحیت) کو صرف کرنا، اجتہاد کہلاتا ہے)۔(۱۲)

فیصلہ کرنے کے آداب

جھگڑوں کا فیصلہ کرنا جہاں ایک اہم ذمے داری ہے، وہاں یہ بہت نازک اور حساس معاملہ بھی ہے، کیوں کہ صحیح فیصلوں سے معاشرے میں امن وسکون قائم رہتا ہے اور غلط فیصلوں سے بدامنی اور فساد نمودار ہوتا ہے۔ جب کہ بعض اوقات غلط فیصلے سے کسی کی جان بھی جاسکتی ہے اور کسی کا حق دوسرے کو بھی مل سکتا ہے۔ اس لیے قاضی کو اپنی اس ذمے داری کا احساس کرتے ہوئے صحیح فیصلوں تک پہنچنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہیے اور فیصلہ کرنے کے مکمل آداب کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ایسے امور سے اجتناب کرنا چاہیے جن کی وجہ سے فیصلہ غلط ہونے کا امکان ہو۔ جیسا کہ عبدالرحمن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: " كَتَبَ أَبُو بَكْرَةَ إِلَى ابْنِهِ وَكَانَ بِسِجِسْتَانَ بِأَنْ لَّا تَقْضِيْ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَأَنْتَ غَضْبَانُ فَإِنِّيْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ"(۱۳) (سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے (عبید اللہ) کو لکھا (وہ اس وقت سجستان

۱۱۔ کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابن ہمام، **التحرير في أصول الفقه** (مصر: مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۵۱ھ)، ۳: ۲۹۱۔

۱۲۔ عبد اللہ عمر محمد البیضاوی الشیرازی الشافعی ناصر الدین، **منهاج الوصول إلى علم الأصول**، ت: شعبان محمد اسماعیل (دار ابن حزم، ۲۰۰۸ - ۱۴۲۹)، ۳: ۲۸۴۔

۱۳۔ البخاری، مصدر سابق، کتاب الاحکام، بابٌ هل يقضي القاضي أو يفتي وهو غضبان، رقم: ۷۱۵۸؛ **صحيح مسلم**، كتاب الأقضية، باب كراهة قضاء القاضى وهو غضبان، رقم: ۴۴۹۰؛ **أبو داؤد**، كتاب القضاء، باب القاضي يقضي وهو غضبان، رقم: ۳۵۸۹؛ ترمذی، مصدر سابق، أبواب الأحكام، باب ما جاء لا يقضي وهو غضبان، رقم: ۱۳۳۴؛ نسائی، مصدر سابق، كتاب آداب القضاء، باب ذكر ما ينبغي للحاكم أن يجتنبه، رقم: ۵۴۰۸؛ ابن ماجہ، مصدر سابق، أبواب الأحكام، باب لا يحكم الحاكم وهو غضبان، رقم: ۲۳۱۶۔

میں (قاضی) تھے) کہ وہ غصے کی حالت میں دو آدمیوں (فریقین) کے درمیان فیصلہ نہ کرے کیوں کہ میں نے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: کہ کوئی قاضی غصے کی حالت میں دو آدمیوں (فریقین) کے درمیان فیصلہ نہ کرے)۔

اس حدیث میں حاکم، قاضی اور جج وغیرہ کو غصے کی حالت میں فیصلہ کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس غصے سے مراد زیادہ غصہ ہے جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو وقتی طور پر ختم کر دیتا ہے اور تمام اور پہلوؤں پر غور کرنا ممکن نہیں رہتا۔ اس لیے خطرہ ہوتا ہے کہ اس حالت میں کیا ہوا فیصلہ غلط ہو جائے گا۔ غصے کے علاوہ بھی جو چیز سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پر اثر انداز ہو مثلاً بہت زیادہ بھوک، پیاس، پریشانی، انتہا کی خوشی اور نیند کا غلبہ وغیرہ، تو اِن حالات میں بھی فیصلہ کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام مہلب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حالت غضب میں فیصلہ کرنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ غصے کی حالت میں قاضی حق سے تجاوز کر سکتا ہے۔ علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ممانعت کا سبب یہ ہے کہ غصے کی حالت میں انسان صحیح غور و فکر نہیں کر سکتا اور فقہا نے اس حکم سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جس حالت کے طاری ہونے کی وجہ سے انسان کی غور و فکر کی صلاحیت متاثر ہو اُس حالت میں فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ مثلاً بہت زیادہ بھوک اور پیاس لگی ہو، یا بہت نیند آ رہی ہو۔ اسی طرح ہر وہ کیفیت جس کا دل و دماغ پر غلبہ ہو اور حدیث میں صرف حالت غضب پر اس وجہ سے اقتصار کیا گیا ہے کہ غصے اور غضب کا انسان کے نفس پر زیادہ غلبہ ہوتا ہے اور دوسرے عوارض کی بہ نسبت اس کا روکنا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔[۱۴]

البتہ معمولی غصہ فیصلہ کرنے سے مانع نہیں جو کسی مجرم کا جرم سننے سے فطری طور پر آ جاتا ہے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا غصے کی حالت میں فیصلہ کرنا بھی درست ہے کیوں کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ معصوم ہیں اور آپ سے غصے کی حالت میں بھی غلط فیصلے کا امکان نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی دلیل کے طور پر یہ حدیث ذکر کی ہے کہ سیّدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللهِ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنِّيْ وَاللهِ لَأَ تَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيْلُ بِنَا فِيْهَا قَالَ: فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ قَطُّ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْ مَوْعِظَةٍ مِنْهُ يَوْمَئِذٍ، ثُمَّ قَالَ :((يَا أَيُّهَا

۱۴۔ احمد بن علی بن حجر ابو الفضل العسقلانی الشافعی، فتح الباري شرح صحيح البخاري (بيروت: دارالمعرفة، ۱۳۷۹ھ)، ۸ : ۳۲۵۔

النَّاسُ إِنَّ مِنكُمْ مُنَفِّرِيْنَ فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيُوجِزْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْكَبِيْرَ وَالضَّعِيْفَ وَذَا الحَاجَةِ))۔ (۱۵)

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کی قسم! میں صبح کی جماعت میں فلاں (امام) کی وجہ سے شرکت نہیں کر سکتا، کیوں کہ وہ ہمیں بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو وعظ و نصیحت کے وقت اس سے زیادہ غضب ناک ہوتا کبھی نہیں دیکھا۔ جیسا کہ آپ ﷺ اس دن تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! تم میں سے بعض لوگ نمازیوں کو نفرت دلانے والے ہیں، پس تم میں سے جو شخص بھی لوگوں کو نماز پڑھائے، اسے اختصار کرنا چاہیے، کیوں کہ جماعت میں بوڑھے، بچے اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔

اسی طرح سیّدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک انصاری نے سیّدنا زبیر رضی اللہ عنہ سے حرہ کے اس برساتی نالے کے متعلق جھگڑا کیا جس سے کھجور کے درختوں کو سیراب کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زبیر تم تھوڑا سا پانی لگالو پھر اسے اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو۔

اس پر انصاری نے عرض کیا: (آپ ﷺ نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ) یہ آپ ﷺ کی پھوپھی کا بیٹا ہے۔ آپ ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ غصے سے بدل گیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: زبیر! تم سیراب کرو یہاں تک کہ پانی کھیت کی منڈیروں تک پہنچ جائے۔ آپ ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو اُن کا پورا حق دلوا دیا۔ زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، اللہ کی قسم! یہ آیت اسی کے متعلق نازل ہوتی تھی: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (۱۶) (آپ ﷺ کے رب کی قسم! یہ لوگ ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ ﷺ کو اپنے اختلافی مسائل میں حکم نہ تسلیم کر لیں۔) (۱۷)

اس حدیث سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو جھگڑنے والے فریقوں میں درمیانی راہ نکال کر صلح کروا دے، اگر فریقین اس پر راضی نہ ہوں تو حقیقی فیصلہ کر دے اور ہر

۱۵- البخاری، مصدر سابق، کتاب الأحکام، بَابٌ هل يقضي القاضي أو يفتي وهو غضبان، رقم: ۷۱۵۹۔

۱۶- القرآن ۴: ۶۳- ۶۵۔

۱۷- البخاری، مصدر سابق، کتاب المساقاۃ، باب شرب الأعلى إلى الكعبين، رقم: ۲۳۶۲؛ مسلم، مصدر سابق، کتاب الفضائل، باب وجوب اتباعه، رقم: ۶۱۱۲؛ نسائی، مصدر سابق، کتاب آداب القضاة، باب الرخصة للحاكم الأمين أن يحكم وهو غضبان، رقم: ۵۴۰۹۔

فریق کو اس کا پورا پورا حق دلا دے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باغ کی سیرابی کے متعلق مصالحت کا مشورہ دیا، جب مصالحت کارگر نہ ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حتمی فیصلہ دے دیا۔

یہ دونوں احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت غصے کی حالت میں بھی فیصلہ کر دیں، کیوں کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشی کی حالت میں حق بات کہتے تھے اسی طرح پریشانی اور غم کے عالم میں بھی حق کے سوا کچھ نہیں فرماتے تھے، لیکن دیگر قاضیوں اور مفتیوں کو سخت غصے کی حالت میں فیصلہ کرنے سے اجتناب کرتے ہوئے فریقین کے دلائل، گواہوں کی شہادت اور دیگر قرائن کی روشنی میں صحیح فیصلہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے باب "الرُّخْصَةُ لِلْحَاكِمِ الأَمِينِ أَنْ يَحْكُمَ وَهُوَ غَضْبَانُ" (جس قاضی کے متعلق غلطی کا خطرہ نہ ہو، وہ غصے کی حالت میں فیصلہ کر سکتا ہے۔) قائم کرکے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرنے کی پابندی عام قاضی کے لیے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غصے کی حالت میں بھی غلطی کا امکان نہیں۔

ظاہری دلائل کی بنا پر فیصلہ

قاضی اور جج ظاہری دلائل یعنی گواہوں کی شہادت، قسم اور دیگر قرائن کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ لوگوں پر ظاہر کے مطابق شرعی احکام نافذ ہوں گے اور ان کے باطنی احوال کا معاملہ اللہ کے سپرد ہوگا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ﴾[۱۸] (اگر وہ توبہ کرلیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔)

گویا قبول اسلام کے بعد اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا اہتمام کرنے والے پر حملہ کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اگر وہ نفاق کے طور پر ایسا کر رہا ہے، یا نمود و نمائش یا کوئی اور مقصد اس کے پیش نظر ہے، تو یہ چوں کہ اندرونی معاملہ ہے، اسے اللہ کے سپرد کر دیا جائے گا، کہ وہی دلوں کے احوال سے واقف ہے، کوئی دوسرا شخص کسی کے دل اور نیت کے متعلق نہیں جانتا، حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْحُرَقَةِ فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ فَهَزَمْنَاهُمْ وَلَحِقْتُ أَنَا وَرَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ رَجُلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا غَشِينَاهُ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَكَفَّ الْأَنْصَارِيُّ فَطَعَنْتُهُ بِرُمْحِي حَتَّى قَتَلْتُهُ

۱۸۔ القرآن ۹ : ۵۔

فَلَمَّا قَدِمْنَا بَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا أُسَامَةُ أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ ؟ قُلْتُ كَانَ مُتَعَوِّذًا فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى تَمَنَّيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ۔[۱۹]

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حرقہ (جہینہ قبیلے کی شاخ) کی طرف بھیجا، ہم نے صبح کے وقت ان پر حملہ کیا، اور انھیں شکست دے دی۔ (لڑائی کے دوران) میری اور ایک انصاری صحابی کی مڈبھیڑ ان کے ایک آدمی کے ساتھ ہوئی۔ جب ہم نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تو اس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ پڑھا، جس پر انصاری تو رک گیا، لیکن میں نے اسے اپنا نیزہ قتل کر دیا۔ جب ہم مدینہ واپس آئے تو یہ خبر نبی ﷺ کو پہنچی۔ آپ نے (مجھ سے) فرمایا: اُسامہ! کیا تم نے اسے اس کے لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ کہنے کے بعد بھی قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا: اس نے تو صرف جان بچانے کے لیے ایسا کیا تھا۔ آپ یہی فقرہ بار بار دہراتے رہے (کیا تم نے اسے لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ کہنے کے بعد بھی قتل کر دیا) میں نے آرزو کی کہ کاش! میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام اسلام کا نفاذ ظاہری حالات پر ہو گا۔ باطنی معاملات پر شک وشبہ کا اظہار کر کے کسی کے خلاف کارروائی نہیں کی جا سکتی، کیوں کہ دلوں کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور کافر جب بھی توحید و رسالت کا اقرار کر لے، اس کا اقرار قبول ہے اور اس کی جان اور مال محفوظ ہو گا۔ اسی طرح قاضی یا جج کے سامنے جس قسم کے دلائل پیش ہوں گے، وہ ان کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

نبی کریم ﷺ کے ظاہری دلائل کے مطابق فیصلے

نبی اکرم ﷺ بھی ظاہری دلائل کی بنا پر فیصلے کیا کرتے تھے۔ حضرت ام المؤمنین سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے حجرے کے دروازے پر جھگڑے کی آواز سنی تو باہر ان کی طرف نکلے۔ پھر آپ نے فرمایا: "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّهُ يَأْتِيْنِي الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَكُوْنَ اَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ فَاَحْسِبُ اَنَّهُ صَادِقٌ فَاَقْضِي لَهُ بِذٰلِكَ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَاِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ فَلْيَأْخُذْهَا اَوْ لِيَتْرُكْهَا."[۲۰] (میں بھی ایک انسان ہوں، اور میرے پاس لوگ مقدمے لے کر آتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ (فریقین میں سے) ایک فریق کی بحث دوسرے فریق سے عمدہ ہو، تو میں یقین کر لوں کہ وہی سچا ہے اور اس کے موافق فیصلہ

۱۹۔ البخاری، مصدر سابق، المغازی، باب بعث النبي ﷺ أسامة بن زيد إلى الحرقات من الجهينة، رقم: ۴۲۶۹؛ مسلم، مصدر سابق، كتاب الإيمان، باب تحريم قتل الكافر بعد قوله: لا إله إلا الله، رقم: ۲۷۴۔

۲۰۔ بخاری، مصدر سابق، کتاب المظالم والغضب، باب اثم من خاصم في باطل وهو يعلمه، رقم: ۲۴۵۸۔

کر دوں۔ تو جس شخص کے لیے بھی میں کسی مسلمان کے حق کے فیصلہ کر دوں تو وہ (در حقیقت) جہنم کا ایک ٹکڑا ہے وہ چاہے تو اسے لے یا چھوڑ دے۔)

مذکورہ بالا حدیث کو ائمہ صحاح ستہ اور کثیر محدثین نے اپنی اپنی کتب میں روایت کیا ہے اور بالخصوص امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے **صحیح بخاری** میں اپنی اجتہادی اور فقہی بصیرت کی بنا پر چھے مختلف مقامات پر روایت کیا ہے، اور ان میں سے ایک باب من قضي له بحق أخيه فلا يأخذه فإن قضاء الحاكم لا يحل حرامًا ولا يحرم حلالًا (جس شخص کے لیے اس کے بھائی کے مال کا فیصلہ کر دیا جائے تو وہ اسے نہ لے، کیوں کہ حاکم کا فیصلہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کر سکتا) قائم کیا ہے۔

صحیح مسلم کی تبویب میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر باب بیان أن حكم الحاكم لا يغير الباطن یعنی "حاکم کے فیصلے سے باطن (حقیقت) تبدیل نہیں ہوتی" باب قائم کر کے واضح کیا ہے کہ اگر حاکم کا فیصلہ خلاف حقیقت ہو گا تو وہ باطنی طور پر نافذ نہیں ہو گا۔ اس کی وجہ سے کسی دوسرے کی چیز اختیار کرنا جائز نہیں ہو گا۔ جو شخص حاکم کے فیصلے کو دلیل بنا کر کسی دوسرے کی کوئی چیز لے لے گا تو گویا اس نے جہنم کا ایک ٹکڑا لے لیا اور اس حدیث کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فليأخذها أو ليركها" یعنی (اس کو لے لے یا چھوڑ دے۔)[۲۱] تو یہ الفاظ حقیقت تخییر کے لیے نہیں، بلکہ تہدید کے لیے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾[۲۲] یعنی (اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ اس کو نہ لے۔ جیسا کہ **جامع ترمذی** میں مذکورہ حدیث کے آخر میں ہے: "فَلَا يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا"[۲۳] یعنی (وہ اس سے کچھ بھی نہ لے۔)

امام ابو داوَد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں اس حدیث پر باب (بَابٌ فِي قَضَاءِ الْقَاضِي إِذَا أَخْطَأَ (جب قاضی سے فیصلہ کرنے میں خطاء ہو جائے تو؟) قائم کر کے یہ اشارہ کیا ہے کہ قاضی سے فیصلہ کرنے میں غلطی

۲۱- البخاری، مصدر سابق، رقم: ۷۱۸۱۔

۲۲- القرآن ۱۸:۲۹۔

۲۳- الترمذی، مصدر سابق، کتاب الأحكام، باب ما جاء في التشديد على من يقضى له بشيء ليس له أن يأخذه، ۳:۱۷، رقم:۱۳۳۹۔

ہو سکتی ہے، لیکن فریقین کو بالعموم اس بات کا علم ہوتا ہے کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے، اس لیے دوسرے بھائی کا حق غصب کر کے وہ یہ سمجھے کہ اس نے قاضی کے فیصلے کے باوجود آگ کا ٹکڑا لیا ہے اور اس حدیث کے بعد امام موصوف نے ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت بیان کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں:

أَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلَانِ يَخْتَصِمَانِ فِي مَوَارِيثَ لَهُمَا، لَمْ تَكُنْ لَهُمَا بَيِّنَةٌ إِلَّا دَعْوَاهُمَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ مِثْلَهُ، فَبَكَى الرَّجُلَانِ، وَقَالَ: كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حَقِّي لَكَ، فَقَالَ لَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَّا إِذْ فَعَلْتُمَا مَا فَعَلْتُمَا فَاقْتَسِمَا، وَتَوَخَّيَا الْحَقَّ، ثُمَّ اسْتَهِمَا، ثُمَّ تَحَالَّا. (۲۴)

رسول اللہ ﷺ کے پاس دو آدمی آئے۔ ان کا میراث کے معاملے میں جھگڑا تھا۔ اور ان کے پاس سوائے اپنے اپنے دعوے کے کوئی دوسرا گواہ نہ تھا۔ تو نبی کریم ﷺ نے مذکورہ بالا حدیث کی مثل بیان کیا۔ چناں چہ وہ دونوں رونے لگے اور ہر ایک دوسرے سے کہنے لگا۔ میرا حق تیرے لیے ہے۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا! جب تم ایسا کرتے ہو تو آپس میں تقسیم کر لو اور حق کا قصد کرو۔ پھر آپس میں قرعہ ڈال لو (حصے کی تعیین کے لیے) پھر ممکنہ زیادتی ایک دوسرے سے معاف کرالو۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ فیصلہ کرنے سے پہلے فریقین کو وعظ و نصیحت کرتے اور اللہ کا ڈر اور تقویٰ اختیار کرنے پر زور دیتے اور یہ کہ بعض مقدمات میں مصالحت کے سوا کوئی حل نہیں ہوتا، لہٰذا ایسی صورت میں مصالحت کے لیے ہر قسم کی کوشش کر چاہیے حتیٰ کہ قرعہ بھی ڈالا جاسکتا ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ حدیث پر عنوان بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ عَلَى مَنْ يُقْضَى لَهُ بِشَيْءٍ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ (۲۵) (اگر غیر مستحق کے حق میں فیصلہ ہو جائے تو اسے وہ چیز لینا جائز نہیں۔) قائم کیا ہے۔ گویا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی موقف ہے کہ قاضی اگر فیصلہ کرنے میں غلطی کر جائے تو غیر مستحق کے لیے کوئی چیز حلال نہیں ہو سکتی۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں باب (الْحُكْمُ بِالظَّاهِرِ) (فیصلہ ظاہری دلائل کی بنا پر کیا جائے گا۔) قائم کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ قاضی اور جج ظاہری دلائل کے مطابق فیصلہ کرے گا، اس لیے کسی قاضی یا حاکم

۲۴۔ ابو داود، مصدر سابق، رقم: ۳۵۸۴۔

۲۵۔ الترمذی، مصدر سابق، كتاب الأحكام، باب ما جاء في التشديد على من يقضى له بشيء ليس له أن يأخذه،: ۳:۱۷، رقم: ۱۳۳۹۔

نے ظاہری دلائل سننے کے بعد غلط فیصلہ کر دیا تو وہ فیصلہ غلط اور ناجائز ہی تصور کیا جائے گا۔ کسی بھی شخص کے ناجائز فیصلہ کرنے سے وہ فیصلہ شرعی طور پر جائز قرار نہیں پاتا، کیوں کہ جج یا قاضی کے سامنے جس طرح کے دلائل ہوں گے۔ وہ انھیں کے مطابق فیصلہ صادر کریں گے۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر باب قَضِيَّةِ الْحَاكِمِ لَا تُحِلُّ حَرَامًا وَلَا تُحَرِّمُ حَلَالًا (جج کے فیصلہ کر دینے سے حرام چیز حلال اور حلال چیز حرام نہیں ہو جاتی۔) قائم کر کے واضح کیا ہے اگر ایک شخص کو معلوم ہو کہ اس معاملے میں اس کا موقف درست نہیں، لیکن قاضی ظاہری دلائل اور قرائن کی روشنی میں اس کے حق میں فیصلہ دے دیتا ہے تو اس سے اصل حقیقت میں فرق نہیں پڑتا۔ مثلاً اگر جھوٹے گواہوں کی مدد سے یہ فیصلہ لے لیا جائے کہ فلاں عورت سے نکاح ہو چکا ہے تو مرد کے لیے اس عورت سے ازدواجی تعلقات قائم کرنا جائز نہیں ہو گا۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ گناہ کا مرتکب ہو گا اور قیامت کے دن اسے اس کی سزا ملے گی۔ جیسا کہ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ قیامت کے دن وہ اسے لے کر حاضر ہو گا۔[۲۶]

اسی طرح اگر قاضی یہ فیصلہ کر دے کہ فلاں عورت کو طلاق ہو چکی ہے، جب کہ مرد نے طلاق نہ دی ہو تو مرد اپنی اس بیوی سے ازدواجی تعلقات قائم رکھنے سے اللہ کے ہاں مجرم نہیں ہو گا۔

بعض اہل علم نے اموال اور عقود میں فرق کیا ہے جب کہ جمہور علما کے نزدیک یہ حدیث مطلق ہے، اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بھی بیان کیا ہے:

کہ کوئی فرق نہیں اس شخص کے درمیان جس نے دو جھوٹے گواہوں سے دعویٰ نکاح ثابت کر دیا، حالاں کہ جانتا ہے کہ جھوٹے ہیں اور اس شخص کے درمیان جس نے آزاد مرد کے متعلق دعویٰ کیا کہ یہ اس کا غلام ہے اور اس کے لیے دو جھوٹے گواہ پیش کر دے۔ اور وہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ تو اگر قاضی ان جھوٹے گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر اس کے غلام ہونے کا فیصلہ دے دے تو بالاجماع اس کے لیے اس کو غلام بنانا جائز نہیں ہو گا۔[۲۷] اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ کہنا کہ قاضی کا فیصلہ ظاہراً اور باطناً حلال کر دیتا ہے۔[۲۸] اس صحیح حدیث کے مخالف ہے۔

۲۶- ابن ماجہ، مصدر سابق، رقم: ۲۳۱۷۔

۲۷- ابن حجر، مصدر سابق، ۱۲: ۲۴۲۔

۲۸- زکریا محی الدین یحیی بن شرف النووی (المتوفی: ۶۷۶ھ)، **المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج** (بیروت: دار إحياء التراث العربي، ۱۳۹۲ھ)، ۱۲: ۴۔

دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم نے فرمایا: اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَأَقْضِيْ عَلٰى نَحْوِ مَا اَسْمَعُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهٗ بِحَقِّ اَخِيْهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ.‘‘[۲۹] (میں بھی ایک انسان ہوں اور بے شک تم میرے پاس اپنے مقدمات لاتے ہو، شاید کوئی شخص اپنی دلیل کو دوسرے کی نسبت بہتر انداز میں بیان کر سکتا ہو۔ اور میں تو جو کچھ تم (فریقین اور گواہوں) سے سنتا ہوں، اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ اگر میں (ظاہری دلائل کی بنا پر) کسی شخص کے لیے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دوں تو وہ اسے نہ لے۔ (وہ یوں سمجھے کہ) میں اسے آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں۔)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم کی تبویب کرتے ہوئے اس حدیث پر باب (بیان أن حکم الحاکم لا یغیر الباطن[۳۰] بلاشبہ حاکم کے فیصلے سے باطن (حقیقت) میں تبدیلی نہیں ہو سکتی) قائم کیا ہے۔ یعنی فیصلہ باطنی طور پر نافذ نہیں ہو گا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر باب ما جاء في التشدید به علی من یقضي له بشيءٍ لیس له أن یاخذه[۳۱] (جس شخص کے لیے کسی دوسرے کی چیز کا فیصلہ کر دیا جائے اسے لینے پر وعید کا بیان) قائم کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں جب کہ حقیقت حال اس پر آشکار نہ ہو قاضی کا فیصلہ صرف ظاہری طور پر نافذ ہوتا ہے باطنی طور پر نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگوں میں ظاہری دلائل کی بنا پر فیصلہ کرنے کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بیان کیا:

عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت کی تھی کہ زمعہ کی لونڈی کا لڑکا میرا ہے۔ تم اسے اپنی پرورش میں لے لینا۔ چناں چہ فتح مکہ کے دن سعد رضی اللہ عنہ نے اسے لے لیا اور کہا کہ یہ میرے بھائی کا لڑکا ہے اور مجھے اس کے بارے میں انھوں نے وصیت کی تھی۔ پھر عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ میرے والد کی لونڈی کا لڑکا ہے۔ اور انھی کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ چناں چہ یہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (یہ) میرے بھائی کا لڑکا ہے انھوں نے مجھے اس کی وصیت کی تھی، جب کہ عبد بن

۲۹۔ ابن ماجہ، مصدر سابق، رقم: ۲۳۱۷۔

۳۰۔ النووی، مصدر سابق، ۱۲: ۴۔

۳۱۔ الترمذی، مصدر سابق، ۳: ۱۷، رقم: ۱۳۳۹۔

زمعہ نے کہا کہ میرا بھائی ہے، میرے والد کی لونڈی کا لڑکا ہے اور انہی کے بستر پر پیدا ہوا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: عبد بن زمعہ! یہ تمھارا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: بچہ بستر والے کا ہوتا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔ پھر آپ نے سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اس لڑکے سے پردہ کیا کرو، کیوں کہ آپ ﷺ نے لڑکے کی عتبہ سے مشابہت دیکھ لی تھی۔ چناں چہ اس نے سودہ رضی اللہ عنہا کو موت تک نہیں دیکھا۔ (۳۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے ظاہری دلائل کی بنا پر فیصلہ فرما دیا، لیکن حقیقت کے مختلف ہونے کے اندیشے سے سودہ رضی اللہ عنہا کو اُس سے پردے کا حکم بھی دے دیا۔ اس کے متعلق امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

آپ ﷺ لوگوں کے درمیان ظاہر کے اعتبار سے فیصلے کرتے تھے اور حقیقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے۔ اس لیے آپ گواہوں اور قسم کی بنا پر فیصلہ کرتے تھے، جب کہ یہ ممکن ہے کہ واقعے میں حقیقت ظاہر کے خلاف ہو، لیکن آپ کو ظاہر کے مطابق فیصلے کرنے کا مکلف کیا گیا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تک لوگ لا إله إلا الله کا اقرار نہ کر لیں، مجھے ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جب اس کلمہ کا اقرار کر لیں گے تو وہ اپنی جانوں اور مالوں کو میری طرف سے محفوظ کر لیں گے، البتہ جس چیز کا ان کی جان اور مال پر حق ہو گا اسے وصول کیا جائے گا اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔ (۳۳)

نبی کریم ﷺ کو حقیقت پر مطلع نہ کرنے کی حکمت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو لوگوں کے باطنی معاملات پر مطلع کیوں نہیں کیا۔ حالاں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نبی ﷺ کو لوگوں کے باطنی امور سے آگاہ کر دیتا اور آپ ﷺ ان کے مطابق فیصلہ فرماتے۔ اس کے متعلق امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ولو شاء الله لأطلعه ﷺ على باطن أمر الخصمين، فحكم بيقين نفسه من غير حاجة إلى شهادة أو يمين لكن لما أمر الله تعالى أمته باتباعه والاقتداء بأقواله وأفعاله وأحكامه، أجرى له حكمهم في عدم الاطلاع على باطن الأمور ليكون حكم الأمة في ذلك حكمه، فأجرى الله تعالى أحكامه على الظاهر الذي يستوي فيه هو وغيره. ليصح الاقتداء به وتطيب نفوس العباد لانقياد للأحكام الظاهرة من غير نظر إلى الباطن (۳۴)

۳۲- البخاری، مصدر سابق، کتاب الاحکام، باب من قضى له بحق أخيه فلا يأخذ فإن قضاء الحاكم لا يحل حرامًا ولا يحرم حلالًا، رقم: ۷۱۸۲۔

۳۳- النووی، مصدر سابق، ۱۲: ۲۳۲۔

۳۴- النووی، مصدر سابق، ۱۲: ۲۳۲۔

اور اگر اللہ چاہتا تو آپ ﷺ کو فریقین کے باطنی معاملہ پر مطلع کر دیتا اور آپ کسی شہادت اور قسم کے بغیر اپنے ذاتی یقین کی بنا پر فیصلہ فرماتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے چوں کہ آپ کی امت کو آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور احکام کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے باطنی امور میں آپ ﷺ کو بھی اسی حکم کے تحت کر دیا، تا کہ امت پر آپ ﷺ کی اتباع آسان ہو، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے احکام ظاہر کے مطابق جاری کیے، تاکہ آپ ﷺ کی امت بھی آپ ﷺ کی طرح ظاہر کے مطابق فیصلہ کر سکے اور آپ کی اقتدا کر سکے، نیز لوگ باطن کی طرف متوجہ ہوئے بغیر خوشی کے ساتھ ظاہری فیصلوں کو قبول کر سکیں۔

ایک اعتراض کا جواب

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اعتراض ذکر کر کے اس کا جواب تحریر کیا ہے:

اگر یہ اعتراض ہو کہ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کبھی نبی ﷺ ظاہر کے مطابق حکم کر دیتے ہیں اور وہ باطن کے مخالف ہوتا ہے، حالاں کہ اصولیین کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی ﷺ کو احکام میں خطا پر بر قرار نہیں رکھا جاتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث اور اصولیین کے قاعدے میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ کیوں کہ اصولیین کی مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے اجتہاد سے جو حکم دیں اس میں خطا پر بر قرار نہیں رہتے، بعض علما اس کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ سے اجتہاد میں خطا ہوتی ہے، اور بعض علما خطاے اجتہادی کے قائل نہیں ہیں، اور جو قائل نہیں ہیں ان کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ اس خطا پر قائم نہیں رہتے بلکہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو صحیح فیصلہ پر مطلع کر دیتا ہے، اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ بغیر اپنے اجتہاد کے محض شہادت یا قسم کی بنا پر جو فیصلہ کریں اور اس ظاہر شہادت کی وجہ سے بالفرض باطن کے خلاف فیصلہ کر دیں تو اس فیصلہ کو غلط اور خطا نہیں کہا جائے گا بلکہ آپ ﷺ کو جس بنیاد پر فیصلہ کرنے کا مکلف کیا گیا ہے وہ شہادت یا قسم ہے اور اس لحاظ سے یہ فیصلہ صحیح ہے اور گواہوں نے جھوٹی گواہی دی تو یہ ان کا گناہ ہے، فیصلے میں کوئی قصور نہیں ہے۔ (۳۵)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے ظاہری دلائل کے مطابق فیصلہ جات

نبی کریم ﷺ کے بعض خلفاے راشدین کا طرز عمل بھی یہی تھا کہ ظاہری دلائل کی بنا پر فیصلہ کرتے تھے۔ چناں چہ سیّدنا عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا:

۳۵۔ النووی، مصدر سابق، ۱۲: ۲۳۲۔

إِنَّ أُنَاسًا كَانُوا يُؤْخَذُوْنَ بِالْوَحْيِ فِيْ عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَإِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ وَإِنَّمَا نَأْخُذُكُمُ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا أَمِنَّاهُ وَقَرَّبْنَاهُ وَلَيْسَ إِلَيْنَا مِنْ سَرِيْرَتِهِ شَيْئٌ ،اللهُ يُحَاسِبُهُ فِي سَرِيْرَتِهِ وَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا سُوءً ا لَمْ نَأْمَنْهُ وَلَمْ نُصَدِّقْهُ وَإِنْ قَالَ إِنَّ سَرِيْرَتَهُ حَسَنَةٌ. (۳۶)

رسول اللہ ﷺ کے دور میں لوگوں کا مؤاخذہ وحی کے ذریعے ہو جاتا تھا۔ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے، اس لیے اب ہم تمھارا مؤاخذہ صرف تمھارے ان عملوں پر کریں گے جو ہمارے سامنے آئیں گے، تو جو ہمارے لیے بھلائی ظاہر کرے گا ہم اسے امن دیں گے اور اسے اپنا مقرب بنائیں گے، اور ہمیں اس کے مخفی حالات سے کوئی سروکار نہیں، اللہ تعالیٰ ان کے مخفی حالات کا حساب لے گا۔ اور جو شخص ہمارے لیے برائی ظاہر کرے گا تو ہم اسے امن دیں گے نہ اس کی تصدیق کریں گے، اگرچہ وہ یہ کہے کہ اس کا باطن (ارادہ) اچھا تھا۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں لوگوں کے خفیہ امور پر مطلع ہونے کا ذریعہ وحی الٰہی تھا، لیکن آپ ﷺ کے بعد ظاہری حالات و واقعات اور دلائل کے مطابق ہی فیصلہ کیا جائے گا، کہ وحی منقطع ہو چکی ہے۔ اب اگر کوئی اچھا کام کرے گا تو اسے اچھا بدلہ ملے گا، اور اگر کوئی برا کام کرے گا تو اسے اس کی سزا ملے گی۔ اگرچہ وہ حسن نیت کا اقرار کرے۔

قاضی کا اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر فیصلہ

قاضی اپنے علم کی بنیاد پر فیصلہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور قاضی بھی سن لیتا ہے، پھر جب مقدمہ قاضی کی عدالت میں آئے اور طلاق دینے والا انکار کرے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی، تو کیا قاضی اپنے ذاتی علم کی بنا پر فیصلہ کر سکتا ہے؟ امام بخاری نے **صحیح بخاری**، کتاب الأحکام میں ایک باب ("باب من رأى للقاضي أن يحكم بعلمه في أمر الناس إِذَا لَمْ يَخَفِ الظُّنُوْنَ وَالتُّهْمَةَ" قاضی کا اپنے ذاتی علم کی رو سے لوگوں کے معاملات میں فیصلہ کرنا درست ہے، جب بدگمانی اور تہمت کا ڈر نہ ہو) قائم کیا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہند (ابوسفیان کی بیوی) سے فرمایا تھا: "خُذِيْ مَا يَكْفِيْكِ وَ وَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ" (آپ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مال سے اتنا لے سکتی ہیں، جو دستور کے مطابق آپ اور آپ کی اولاد کے لیے کافی ہو۔)

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث ذکر کی:

۳۶۔ البخاري، مصدر سابق، کتاب الشهادات، باب الشهداء العدول، ۳: ۱۶۹، رقم: ۲۶۴۱۔

جاءَتْ هِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ ابْنِ رَبِيْعَةَ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَاللهِ مَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ أَهْلُ خِبَاءٍ اَحَبَّ إِلَيَّ اَنْ يَذِلُّوا مِنْ أَهْلِ خِبَائِکَ وَمَا اَصْبَحَ الْيَوْمَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ أَهْلُ خِبَاءٍ اَحَبَّ إِلَيَّ اَنْ يَعِزُّوْا مِنْ أَهْلِ خِبَائِکَ ثُمَّ قَالَتْ: اِنَّ اَبَاسُفْيَانَ رَجُلٌ مِسِّيْکٌ، فَهَلْ عَلَيَّ مِنْ حَرَجٍ أَنْ أُطْعِمَ مِنَ الَّذِیْ لَهُ عِيَالَنَا؟ قَالَ لَهَا: لَا حَرَجَ عَلَيْکِ أَنْ تُطْعِمِيْهِمْ مِنْ مَعْرُوْفٍ.(۳۷)

ہند بنت عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہا آئیں، اور کہا اے اللہ کے رسول! روے زمین کا کوئی گھرانہ ایسا نہیں تھا جس کے متعلق اس درجے میں ذلت کی خواہش مند تھی۔ جتنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کی ذلت ورسوائی کی میں خواہش مند تھی، لیکن اب میرا یہ حال ہے کہ میں سب سے زیادہ خواہش مند ہوں کہ روے زمین کے تمام گھرانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھرانہ عزت و سربلندی والا ہو۔ پھر انھوں نے کہا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہیں، تو کیا میرے لیے کوئی حرج ہے، اگر میں ان کے مال میں سے (ان کی اجازت کے بغیر لے کر) اپنے اہل وعیال کو کھلاؤں؟ آپ نے ان سے فرمایا کہ تمھارے لیے کوئی حرج نہیں اگر تم انھیں دستور کے مطابق کھلاؤ۔

اس مقدمے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی علم کی بنیاد پر حضرت ہند رضی اللہ عنہا کو دستور کے مطابق اپنی ذات اور اپنی اولاد پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر خرچ کرنے کی اجازت عطا کر دی۔ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو عورتیں تھیں، ان کے ساتھ ان کے دو بیٹے بھی تھے، بھیڑیا آیا اور ایک کے بیٹے کو اُٹھا کر لے گیا۔ یہ (جس کا بچہ بھیڑیا اٹھا کر لے گیا) دوسری سے کہنے لگی، وہ تیرے بیٹے کو لے گیا ہے۔ دوسری نے کہا: تیرے بیٹے کو لے گیا ہے۔ دونوں عورتیں اپنا مقدمہ حضرت داوٗد علیہ السلام کے پاس لے گئیں، آپ علیہ السلام نے بڑی کے حق میں فیصلہ کر دیا، وہ باہر نکلیں تو حضرت سلیمان بن داوٗد علیہما السلام ملے۔ انھوں نے ان سے پورا واقعہ بیان کیا۔ حضرت سلیمان نے فرمایا: چھری لاؤ۔ میں اسے کاٹ کر دونوں میں تقسیم کر دوں۔ اس پر چھوٹی بولی: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے! ایسا نہ کریں۔ یہ اسی کا بیٹا ہے، آپ علیہ السلام نے وہ چھوٹی کو دے دیا۔(۳۸)

حضرت داوٗد علیہ السلام نے بڑی کے حق میں فیصلہ اس لیے دیا کہ بچہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ دلیل کسی کے پاس بھی نہیں تھی۔ انھوں نے ظاہری قبضے کی رو سے فیصلہ کر دیا۔ حضرت سلیمان مقدمہ سن کر فیصلہ کرنے لگے تو (دوسری روایت میں ہے کہ) بڑی کہنے لگی: "نَعَمْ اِقْطَعُوْهُ" (ہاں اس کے دو ٹکڑے کر دیں۔)

۳۷۔ البخاری، مصدر سابق، کتاب الأحکام، باب من رأى للقاضي أن يحكم بعلمه في أمر الناس، رقم: ۷۱۶۱؛ مسلم، مصدر سابق کتاب الأقضية، باب قضية هند، رقم: ۴۴۸۰۔

۳۸۔ بخاری، مصدر سابق، کتاب الفرائض، باب إذا ادعت المرأة ابنًا، رقم: ۶۷۶۹؛ نسائی، مصدر سابق، کتاب آداب القضاة، باب حكم الحاكم بعلمه، رقم: ۵۴۰۴۔

اس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکمت سے کام لیا اور حقیقت تک پہنچ گئے۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے باب (حکم الحاکم بعلمه قاضی کا اپنے علم (اور ذہانت) سے فیصلہ کرنا) قائم کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ قاضی اپنی ذہانت سے بھی معاملے کی تہہ تک پہنچ کر حقیقت کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے، خواہ گواہ اور دلائل نہ ہوں، مگر یہ تب ہے جب حاکم اور قاضی کے خلاف بدگمانی پیدا نہ ہوتی ہو۔ نیز فریق ثانی بھی فیصلہ تسلیم کرلے۔

قاضی کے فیصلے سے حقیقت کے نہ بدلنے کے دلائل

قاضی یا جج کے سامنے جو دلائل پیش کیے جائیں گے وہ ان کے مطابق فیصلہ کرے گا اور بعض اوقات فریقین میں سے ایک فریق زیادہ چالاک اور چرب زبان ہوتا ہے اور وہ (یا اس کا وکیل) اپنے جھوٹے دلائل کو بھی سچا ثابت کرنے میں کام یاب ہو جاتا ہے اور قاضی اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہے۔ اس سے فیصلے کی حقیقت تبدیل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ"(۳۹) (شاید کوئی شخص اپنی دلیل کو دوسرے کی نسبت بہتر انداز میں بیان کر سکتا ہو۔)

دوسری روایت میں ہے:" فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُوْنَ أَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ فَأَحْسِبُ أَنَّهُ صَدَقَ"(۴۰) (ہو سکتا ہے کہ (فریقین میں سے) ایک فریق کی بحث دوسرے فریق سے عمدہ ہو اور میں اس کو سچا سمجھ لوں۔) **صحیح بخاری** کی شرح **الكوثر الجاري** میں اس کے متعلق لکھا ہے:"أن يكون أقدر على الكلام كما ترى بعض الوكلاء يجعل الباطل في صورة الحق"(۴۱) (یہ کہ وہ گفت گو میں مہارت رکھنے والا ہو، جیسا کہ آپ بعض وکلا کو دیکھتے ہیں کہ وہ باطل کو بھی حق ثابت کر دیتے ہیں۔)

یعنی جو چرب زبانی کی وجہ سے اپنے حق میں فیصلہ لے لے، تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کے لیے یہ حلال ہے؛ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ **فتح الباری** میں لکھتے ہیں:

۳۹۔ البخاری، مصدر سابق، كتاب الأحكام، باب موعظة الإمام للخصوم، رقم: ۷۱۶۹۔

۴۰۔ البخاری، مصدر سابق، كتاب المظالم والغصب، باب إثم من خاصم في باطل وهو يعلمه، رقم: ۲۴۵۸۔

۴۱۔ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الشافعی ثم الحنفی، **الكوثر الجاري إلى رياض أحاديث البخاري**، تحقیق، الشیخ احمد عزو عنایہ، (بیروت: دار إحياء التراث العربي، ۱۴۲۹ھ - ۲۰۰۸ء)، ۱۱: ۷۵۔

اس حدیث سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں، اور ان میں سے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو قاضی کے فیصلے کی بنا پر اپنے لیے جائز سمجھے۔ حالاں کہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس کی ملکیت نہیں تو وہ قاضی کے فیصلے کی وجہ سے اس کے لیے حلال نہیں ہو گی، اور اسی طرح جو شخص کسی مال کا دعویٰ کرے، جب کہ اس کے پاس کوئی گواہ نہ ہو اور مدعا علیہ یعنی جس پر دعویٰ کیا گیا ہے قاضی کے پاس قسم کھا کر قاضی کے فیصلے کی روشنی میں بری ہو جائے، تو یہ حقیقت میں بری نہیں ہو گا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مجتہد کبھی غلطی بھی کر جاتا ہے، اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ مجتہد غلطی نہیں کر سکتا۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ اگر مجتہد غلطی کر بھی جائے تو اسے گناہ نہیں ہو گا بلکہ اجر دیا جائے گا۔[۴۲]

یعنی نبی کریم ﷺ کے فیصلے سے بھی حرام حلال نہیں ہو جاتا اور نہ حلال حرام ہو جاتا ہے، بلکہ اس کا وبال غلط دلائل مہیا کرنے والے پر پڑے گا اور اسی طرح وہ وکلا جو باطل اور ناجائز مقدمات لڑتے ہیں اور انھیں معلوم بھی ہوتا ہے کہ وہ غلطی پر ہیں ان کی کمائی ناجائز اور معاوضہ حرام ہے۔

شیخ محمد بن صالح عثیمین شرح صحیح البخاری میں لکھتے ہیں: "إنه لا يحل للإنسان أن يأخذ مال أخيه ولو قضى به الحاكم. لأن حكم الحاكم لا يحل الحرام ولا يحرم الحلال والحاكم يقضي بنحو ما يسمع، لا يكلف الله نفسًا إلا وسعها."[۴۳] بلاشبہ انسان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کا مال لے، اگرچہ قاضی اس کے متعلق فیصلہ کر دے، اس لیے کہ قاضی کا فیصلہ حرام کو حلال نہیں کر سکتا اور نہ حلال کو حرام کر سکتا ہے، بلکہ وہ تو جو سنتا ہے اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے: اس لیے کہ اللہ کسی کو اُس کی طاقت سے زیادہ کا پابند نہیں کرتا۔)

فیصلے کے ظاہری اور باطنی نفاذ کے بارے میں جمہور علما کا موقف

کیا قاضی کے فیصلے سے حقیقت میں تبدیلی ہوتی ہے یا نہیں اور اسی طرح قاضی کے فیصلے سے حرام حلال ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق قاضی ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

واختلفوا في حل عصمة النكاح أو عقده بالظاهر الذي يظن الحاكم أنه حق وليس بحق إذ لايحل حرام و لا يحرم حلال بظاهر حكم الحاكم دون أن يكون الباطن كذلك هل يحل ذلك أم لا؟ فقال الجمهور: الأموال والفروج في ذلك سواء، لا يحل حكم الحاكم منها حرامًا ولا يحرم

۴۲۔ ابن حجر، مصدر سابق، ۸: ۳۵۴۔

۴۳۔ محمد بن صالح العثیمین، شرح صحيح البخاري (مصر: مكتبة الطبري، ۱۴۲۹ھ)، ۸: ۶۵۔

حلالًا، وذلک مثل أن يشهد شاهدا زور في امرأة أجنبية أنها زوجة لرجل أجنبي ليست له بزوجة، فقال الجمهور: لا تحل له وإن أحلها الحاكم بظاهر الحكم. (۴۴)

علمانے نکاح کی حلت یا اس کے انعقاد کے جواز میں اختلاف کیا ہے، جس میں ظاہر حالات کو دیکھ کر حاکم نے اس کے برحق ہونے کا فیصلہ کر دیا، حالاں کہ وہ برحق نہیں تھا۔ کیوں کہ حاکم وقت کے ظاہری فیصلے سے نہ کوئی حرام حلال کیا جاسکتا ہے اور نہ کوئی حلال حرام قرار دیا جاسکتا ہے، جب کہ باطنی حالات مختلف ہوں۔ جمہور کے مطابق اس معاملے میں مالیات اور جنس دونوں برابر ہیں، حاکم ان میں سے کسی حلال کو حرام یا کسی حرام کو حلال نہیں کر سکتا ہے، جیسے دو جھوٹے آدمی گواہی دے دیں کہ فلاں اجنبی عورت اجنبی مرد کی بیوی ہے، حالاں کہ وہ بیوی نہ ہو۔ تو جمہور کے فتوے کے مطابق عورت مرد کے لیے حلال نہ ہو گی، خواہ ظاہری فیصلے کے مطابق حاکم نے اسے حلال قرار دیا ہو۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں: "وفي هذا الحديث دلالة لمذهب مالك والشافعي وأحمد وجماهير علماء الإسلام وفقهاء الأمصار من الصحابة والتابعين فمن بعدهم أن حكم الحاكم لا يحل الباطل ولا يحل حرامًا." (۴۵) (امام مالک، شافعی، احمد، جمہور علمائے اسلام اور صحابہ و تابعین میں سے فقہائے کرام رحمہم اللہ اور ان کے بعد والے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ قاضی کا فیصلہ باطل اور حرام کو حلال نہیں کرتا۔)

ظاہری اور باطنی طور پر نافذ ہونے کی تائید سے متعلق موقف کے بارے میں علامہ صنعانی رحمۃ اللہ علیہ سبل السلام میں لکھتے ہیں: "استدلوا بآثار لا يقوم بها دليل وبقياس لايقوي على مقاومة النص." (۴۶) (انھوں نے ایسے آثار سے استدلال کیا ہے جن کے سہارے دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ اور ایسے قیاس سے کام لیا ہے جو نص کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔) جمہور کے موقف کے بارے میں قاضی ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "فعمدة الجمهور عموم الحديث المتقدم." (۴۷) (جمہور کی دلیل مذکورہ حدیث کا عمومی مفہوم ہے۔) مذکورہ بالا

۴۴۔ ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد القرطبی الشہیر بابن رشد الحفید (المتوفی: ۵۹۵ھ)، **بداية المجتهد ونهاية المقتصد** (قاہرہ: دار الحدیث، ۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء)، ۲: ۳۴۵۔

۴۵۔ النووی، نفس مصدر، ۱۲: ۲۳۳۔

۴۶۔ محمد بن اسماعیل الصنعانی، **سبل السلام**، (الكويت: جمعية إحياء التراث الإسلامي، ۱۴۱۸ھ) ۴: ۱۹۲۔

۴۷۔ ابن رشد، نفس مصدر، ۲: ۳۴۶۔

دلائل کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ قاضی اگر امر واقع کے عین مطابق فیصلہ کرے تو ظاہر و باطن ہر دو لحاظ سے نافذ العمل ہے اور اگر صرف ظاہر حالات کے مطابق فیصلہ کرے جبکہ حقیقت کے حلاف فیصلہ ہو تو صرف ظاہری طور پر نافذ ہو گا۔ اس کا فیصلہ حقیقت کو تبدیل یا حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ مؤلفین صحاح ستہ، ائمہ ثلاثہ اور جمہور علما کا بھی یہی موقف ہے۔

خلاصۂ تحقیق

شریعت اسلامیہ میں کتاب وسنت کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب کہ خلاف شرع فیصلہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ جج اور قاضی کو حکم دیا گیا ہے، کہ وہ خوب غور وخوض کرنے اور فریقین سے مقدمے کی سماعت کے بعد اس کے باوجود اگر قاضی فیصلہ کرنے میں غلطی کر جائے تو وہ گناہ گار نہیں ہو گا۔

قاضی کو چاہیے کہ فیصلہ کرتے وقت فریقین کے دلائل، گواہوں کی شہادت اور دیگر قرائن کو پیش نظر رکھے۔ مدعی اور مدعا علیہ میں سے اگر کوئی شخص اپنی چرب زبانی کی بنا پر کسی کے حق کو اپنا حق ثابت کر دے اور قاضی دلائل اور گواہوں کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ کر دے، تو اس بنا پر کوئی حرام چیز اس کے حق میں حلال نہیں ہو گی، یعنی قاضی کے فیصلے سے حقیقت تبدیل نہیں ہو سکتی۔

قرآن کریم میں واضح احکامات کے ساتھ ساتھ مؤلفین صحاح ستہ نے بھی اپنی اپنی کتب حدیث میں مختلف ابواب قائم کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ قاضی کا اس قسم کا فیصلہ صرف ظاہری طور پر نافذ ہو گا، باطنی طور پر نہیں؛ یعنی قاضی کے فیصلے سے حقیقت تبدیل نہیں ہو سکتی۔ قرآن وسنت کی روشنی میں ائمہ ثلاثہ (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ) اور جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ اگر قاضی دلائل اور گواہیوں کی بنا پر حقیقت کے خلاف فیصلہ دے دے تو اس سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی۔